HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 3 (April-June 2025)

سلطنتِ عثمانیہ میں رائج تعلیمی اصطلاحات: ایک تحقیقی جائزہ

Educational Terminologies in the Ottoman Empire: An Analytical Study

Dr. Asma Aziz
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, GCWUF, asmaaziz@gcwuf.edu.pk

Laiba Munir
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF, Laibamuneer14@gmail.com

Sania Nawaz
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF, sanianawaz511@gmail.com

Abstract

This article explores the educational reforms and developments during the Ottoman Empire, emphasizing their historical significance, ideological underpinnings, and institutional growth. Tracing the evolution from the foundational efforts of Osman I to the far-reaching reforms of Sultan Suleiman the Magnificent and subsequent rulers, the study highlights how educational policies were shaped by religious, administrative, and intellectual objectives. Particular focus is given to the establishment and expansion of madrasas, the integration of both religious and rational sciences, and the prominent role of scholars in governance and public life. The paper also examines the evolution of curricula, the emergence of state-sponsored educational institutions, and the legal frameworks introduced to standardize learning across the empire. Adopting a historical-analytical approach, this study aims to provide a comprehensive understanding of how education functioned as an instrument of statecraft, a means of cultural preservation, and a catalyst for intellectual advancement in the Ottoman context.

Keywords: Ottoman Empire, Educational Reforms, Madrassas, Religious and Rational Sciences, Historical Analysis

تمہید

یہ مقالہ سلطنتِ عثمانیہ میں نافذ کیے گئے تعلیمی نظام اور اس سے متعلقہ اصطلاحات کا تاریخی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ سلطنت کے ابتدائی بانی عثمان اوّل سے لے کر سلیمانِ عالیشان اور دیگر حکمرانوں کے عہد تک، تعلیم کو ایک مربوط ریاستی پالیسی کے طور پر فروغ دیا گیا۔ اس مطالعے میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کس طرح دینی، انتظامی اور علمی مقاصد نے عثمانی تعلیمی نظام کو تشکیل دیا۔ خاص طور پر مدارس کے قیام، دینی و عقلی علوم کے امتزاج، اور علما کے سماجی و حکومتی کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مزید بر آں، نصاب کی تشکیل، ریاستی سرپرستی میں تعلیمی اداروں کا قیام، اور ان کے نظم و نسق سے متعلق قانونی و ادارہ جاتی ڈھانچے کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تحقیق تاریخی و تجزیاتی منہج کو اپناتے ہوئے یہ واضح کرتی ہے کہ تعلیم کس طرح سلطنتِ عثمانیہ میں نہ صرف تہذیبی تسلسل اور فکری ترقی کا ذریعہ بنی، بلکہ ریاستی حکمتِ عملی اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کا مؤثر ذریعہ بھی ثابت ہوئی۔

سلطنت عثمانیہ کا تعارف: سلطنت عثمانیہ ایک عظیم اسلامی خلافت تھی۔ جو تقریباچھ صدیوں تک تین براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ پر پھیلی رہی۔ اس کی بنیاد **عثمان اول** نے رکھی اور یہ سلطنت خلاف عباسیہ کے زوال کے بعد عالم اسلام کی سب سے موثر دینی وسیاسی قوت بنی۔ سلطنت عثمانیہ کا آغاز ترکوں سے ہوا۔ اس سلطنت نے اپنے عروج پر علم، عدل، فنون اور انتظامی نظام میں بے مثال ترقی کی۔ 1924 میں خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی اس عظیم سلطنت کا باب بند ہو گیا، لیکن اس کے آثار آج بھی تاریخی، ثقافتی اور تعلیمی لحاظ سے نمایاں ہیں۔ ماوراالنہر کا علاقہ جسے آج ہم **ترکستان** کا نام دیتے ہیں اور جو مشرق میں منگولیا اور شمالی چین کی پہاڑیوں سے مغرب میں بحر قزوین اور شمال میں صبر یہ کے میدان علاقوں سے جنوب میں برصغیر اور فارس تک پھیلا ہوا ہے۔[1] ماورہ النہر ایک اہم تاریخی اور جغرافیائی خطہ تھا جو تہذیب، علم اور اسلام کی اشاعت کا مرکز رہا۔ اس کے محل وقوع اور وسعت نے اسے اسلامی دنیا میں نمایاں مقام عطا کیا۔ غزخاندانوں کا وطن ہے اس علاقے میں اس خاندان کے بڑے بڑے قبائل رہائش پذیر تھے اور ترک یا اتراک کے نام سے جانے جاتے تھے۔[2]

CC BY

چھٹی صدی عیسوی کے نصب ثانی میں ان قبیلوں نے اپنے وطن اصلی کو غیر باد کہہ کر گروہ در گروہ ایشیا کی راہ لی۔ مورخین ان کی اس نقل مکانی کی کئی توجہات کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی وجہ اقتصادی بدحالی تھی شدید قید اور بڑھتی ہوئیآبادی نے انہیں ترک وطن پر مجبور کیا اور وہ ایسے علاقوں میںآ کر بسگئے جہاں چراگاہیں اور خوشحال زندگی کے اسباب وافر مقدار میں موجود تھے۔[3] غز قبائل کی نقل مکانی ایک فطری تاریخی عمل تھا۔ جس کی بنیادی وجوہات میں معاشی بدحالی، آبادی میں اضافہ اور قدرتی وسائل کی کمی شامل تھی۔ بہتر زندگی کی تلاش میںیہ قبیلے ایسے خطوں میں جابسے جہاں خوشحالی کے امکان زیادہ تھے۔ ان کی اس ہجرت نے بعد کی اسلامی تاریخخصوصاًترک اقوام کے ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ بعض تاریخ نگاروں کا نقطہ نظر یہیہ ہے کہ اس نقل مکانی کے پیچھے سیاسی عوامل کار فرما تھے۔ ترکوں کو بعض ایسے طاقتور قبائل کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا جن کی طاقت اور تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی جیسے منگولیا، اس دشمنی سے بچنے کے لیے انہوں نے ترکستان کو چھوڑ کر ایک ایسے علاقہ کی راہ لی جہاں وہ امن وآشتیکی زندگی بسر کر سکتے تھے۔[4]

سلطنت عثمانیہ کا قیام:

عثمانیوں کا تعلق ایک ترکمانی قبیلے سے ہے۔ جو ساتویں صدی ہجری بم مطابق 13 صدی عیسوی کو کردستان میںآباد تھا اور چرواہا پیش کرتا تھا۔ چنگیز خان کی قیادت میں منگولیا نے عراق اور ایشیا کو چک کے مشرقی علاقوں پر حملے کیے تو عثمان کا دادا سلیمان اپنے قبیلے کے ساتھ ہجرت کر کے کردستان سے اناضول کے علاقوں میں آبسا۔[5] عثمان کا والد ارطغرل جب اپنے قبیلہ کو لے کر منگولیوں کے خطرے سے بچنے کے لیے بھاگا۔ تو اس کی تعداد 400 خاندانوں سے زیادہ نہیں تھی۔ راستے میں ایک مقام پر اچانک شور بلند ہوا۔ جب قریب پہنچاتو دیکھا کہ مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان جنگ کا میدان گرم ہے۔ عیسائی مسلمانوں کو پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ ارطغرل کے پاس کوئی اس کے علاوہ چارہ نہیں تھا کہ وہ پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے ہم مذہب اور عقیدہ بھائیوں کو اس مشکل سے نکال لے۔ ارطغرل نے اس زور سے حملہ کیا کہ نصرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اس کی پیش قدمی مسلم لشکر کی فتح کا سبب بن گئی۔ جب مار کا ختم ہوا تو سلجوقی اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے ارطغرل اور اس کے دستے کی پیش قدمی کی تحسین کی اور انہیں رومی سرحدوں کے پڑوس میں مغربی سرحدوں میں ایک جاگیر ادا کی۔[6]

عثمانی سلطنت کی بنیاد جس ترکمانی قبیلے نے رکھی۔ اس کی تاریخ قربانی، ہجرت اور دینی وابستگی سے عبارت ہے۔ ارطغرل کی قیادت میں جب یہ قبیلہ ظلم وستم، جنگ اور تباہی سے بچنے کے لیے ہجرت پر مجبور ہوا۔ تو ان کی اسلامی اخوت کا جذبہ ان کے عمل سے عیاں ہوا۔ مسلمانوں کی مدد کے لیے نصرانیوں کے خلاف جنگ میں کردار ادا کرنا یہ نہ صرف ان کے مذہبی شعور کی علامت تھا بلکہ اسیجرآت نے انہیں اناضول میں ایک شناخت عطا کی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عثمانی سلطنت کا قیام صرف سیاسی بصیرت کا نتیجہ نہتھا بلکہ ایمان، قربانی اور اسلامی اخوت کی بنیادوں پر استوار ایک فطری عمل بھی تھا۔ اس طرح انہیں موقع دیا کہ وہ رومی علاقوں کی طرف پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے سلجوقیسلطنت کی توسیع کا موجب بنیں۔ سلجوقیوں کو ارطغرل اور اس کے قبیلہ کی صورت میں ایک طاقتور حلیف مل گیا۔ جس نے رومیوں کے خلاف جہاد میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اس ابھرتی ہوئی سلطنت اور سلاب کا روم کے درمیان گہرا تعلق پیدا ہو گیا جس کا سبب رومی تھے جو ان کے مشترکہ دشمن تھے اور عقیدہ اور مذہب میں دونوں کے مخالف تھے۔ ارطغرل جب تک زندہ رہا محبت کا یہ تعلق باقی رہا۔[7] ارطغرل کی قیادت میں ترکمانی قبیلہ سلجوقیوں کا مضبوط دوست بن کر رومیوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوا جسے دونوں کے درمیان گہرا تعلق قائم ہوا۔ یہ اتحاد نہ صرف سیاسی استحکام کا سبب بنا بلکہ عثمانی سلطنت کی بنیاد میں بھی ایک سازگار ماحول فراہم کرنے لگا۔ ارطغرل کا جب وصال ہوا تو اس نے اپنے بیٹے عثمان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ عثمان اراسی روم کی طرف پیش قدمی کر کے سلجوقی سلطنت کی توسیع کی سابقہ پالیسی پر قائم رہا۔[8] یہی پیش قدمی بعد میں سلطنت عثمانیہ کی بنیاد بنی۔

سلطنتِ عثمانیہ کے تعلیمی اصلاحات کرنے والے سلاطین:

عثمانی سلاطین نے تعلیم کو ریاست کی ترقی اور دینی واخلاقی اصلاحات کا بنیادی ذریعہ سمجھا۔ مختلف ادوار میں آنے والے سلاطین نے صرف مدارس کی بنیاد نہ رکھی بلکہ تعلیمی نظام نصاب اور ادارہ جاتی ڈھانچے میں بھی انقلابی اصلاحات قائم کیں۔ ان اصلاحات کا مقصد ایک ایسا تعلیمی نظام قائم کرنا تھا۔ جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ عقلی اور سائنسیعلوم کو بھی فروغ دے۔ ذیل میں ان تمام سلاطین کے ادوار کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے ادوار میں علمی ترقی کو فروغ ملا اور سلطنت عثمانیہ میں تعلیمی اصلاحات پر کام ہوا۔

عثمان اول(1299–1326):

عثمان اوّل سلطنتِ عثمانیہ کے بانی تھے، اور ان کا دورِ حکومت ایک نئی اسلامی سلطنت کی بنیاد بن گیا۔ عثمان اول نے سلجوقی سلطنت کے زوال کے بعد ایک نئی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی، جو بعد میں سلطنت عثمانیہ کہلائی۔ عثمان کا قبیلہ "قائی" ترک قبائل میں سے تھا۔ جو ابتدا میں موجودہ ترکی کے مغربی علاقوں میںآباد ہوا۔ عثمان نے مسلسل جنگیں لڑی اور علاقے فتح کیے ان فتوحات کی بنیاد پر ایک مضبوط اور باوقار اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ جسے بعد میں دنیا کی ایک بڑی سلطنت بننے کا موقع ملا۔ عثمان اول کے دور میں ایسا نظام حکومت متعارف ہوا جو اسلامی اصولوں پر مبنی تھا۔ عدالتی نظام شریعت کے اصولوں کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ علماء اور دینی مشیر حکومت میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ عثمان اول نے دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مدارس کا قیام شروع کیا۔ ان مدارس میں قرآن، حدیث، عربی زبان اور دیگر اسلامی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ان تعلیمی اداروں نے نہ صرف دینی رہنماؤں کو تربیت دی بلکہ سلطنت کی عدالتی اور انتظامی نظام کے لیے تعلیمیافتہ افراد بھی فراہم کیے۔ یہ مدارس بعد کے دور میں عثمانی سلطنت کی علمی ترقی کا بنیادی ستون ثابت ہوئے۔ 1258 میں ارطغرل کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ والدین نے اس کا نام عثمان رکھا۔ اسی عثمان کی طرف

CC BY

عثمانی سلطنت منسوب کی جاتی ہے۔یہ اسی سال کی بات ہے جس سال ہلاکو خان کی قیادت میں منگولیوں نے عباسی خلافت کے دارالحکومت بغداد پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی مصیبتیں دیکھیں۔[9]

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وہ شہر کی طرف پلٹے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان الغرض جو بھی ملا اسے قتل کر دیا۔ بہت سے لوگ کنویں، جنگلوں اور ویرانوں میں چھپ گئے اور ایک عرصہ تک غائب رہے۔ کئی لوگ دکانوں میں جمع ہوئے اور اپنے آپ پر دروازوں کو بند کر دیا۔[10] یہ بہت بڑا واقعہ اور عظیم حادثہ تھا۔ جس سے امت مسلمہ کو گزرنا پڑا۔ ایسی امت جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے کمزور ہو گئی اور اس کی طاقت جاتی رہی تھی۔ تارتریوں نے دل کھول کر خون ریزی کی۔ بے شمار انسانوں کو قتل کیا۔ مال و دولت کو لوٹا۔ گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان مشکل حالات میں جب کہ امت مسلمہ من حیث المجموع پٹ چکی تھی۔ دولت عثمانیہ کا موسس عثمان پیدا ہوا۔ یہاں پر ایک نہایت ہی لطیف نقطہ موجود ہے اور وہ یہ کہ امت مسلمہ جب ضعف و نکبت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ وہاں سے اسے دوبارہ عروج حاصل ہوا اور وہ عزت و کامیابی کی انتہائی بلندیوں کی طرف پر کشا ہونے کے لیے تیار ہو گئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾[11]

"بے شک فرعون سرکش بن گیا سرزمین مصر میں اور اس نے بنادیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو بے شک وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔"

ڈاکٹر علی محمد الصلابی کی کتاب سلطنت عثمانیہ میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ عثمان اول میں اعلی قائدانہ صلاحیت موجود تھیں جیسے شجاعت و حوصلہ بلندی، حکمت و دانائی، صبر و استقامت، جذبہ ایمان، عدل و انصاف، وعدہ کی پابندی وغیرہ۔۔۔ عثمان اول نہ صرف ایک فاتح اور حکمران تھے بلکہ ایک صاحب بصیرت رہنما بھی تھے۔ جنہوں نے سلطنت کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی۔ انہوں نے خاص طور پر تعلیم کو دینی تعلیم کو اہمیت دے کر ایک ایسی روحانی اور فکری بنیاد فراہم کی جس نے آگے چل کر پوری سلطنت عثمانیہ کے نظام کو جلا بخشی۔ مدارس کا قیام، دینی علوم کی ترویج اور علماء کی سرپرستی ان کی دور اندیشی کا ثبوت ہے۔ عثمان اول کیبہ تعلیمی کوششیں نہ صرف اس وقت کی ضرورت تھی بلکہ انہوں نے آنے والے ادوار میں سلطنت کو مذہبی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے مستحکم کرنے میں مثبت کردار ادا کیا۔

مراد اول (1359–1389):

سلطنت عثمانیہ کے ان اہم حکمرانوں میں یہ شمار ہوتے ہیں جنہوں نے عثمانی ریاست کو صرف عسکری لحاظ سے نہیں بلکہ دینی اور تعلیمی لحاظ سے بھی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

ڈاکٹر علی محمد الصلابی کی کتاب میں سلطان مراد اول کا تعارف کچھ یوں پیش کیا گیا ہے کہ مراد اول بہادر، مجاہد، کریم اور دین دار فرمانروا تھا۔ نظم و ضبط کا بڑا پابند نہایت عدل، گستر، غریب پرور، رعایا کے ساتھ انصاف برتنے والا، سپاہ کا خیال رکھنے والا، غزوات کا شغف رکھنے والا، مساجد، مدارس اور پناہ گاہوں کے قیام کا شوقین۔ اس کے حاشیہ نشینوں میں بہترین سپہ سالار، تجربہ کار جرنیل اور فوجی تھے۔ یہ تمام لوگ مجلس شوری کے رکن تھے۔ اور سلطان ان کے تجربات سے پورا پورا استفادہ کرتا تھا۔

مراد نے سلطنت کی ترقی اور استحکام کے لیے تمام ذرائع اور فرمانروائی کے تمام اصولوں کو دارالسلطنت میں یکجا کر دیا اور اس میں ملازمین، سپاہ، قانون دان، علمائے دین ہر قسم کے لوگوں کی مجلسیں اور تنظیمیں تشکیل دے دی عدالت قائم کی۔ شہری مدارس اور انکشاریہ کی تربیت کے لیے عسکری ادارے بنائے۔ مدارس کا نظام منظم کیا گیا جس میں قرآن، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور دیگر علوم وغیرہ شامل تھے۔[12]

بایزید اول (1389–1402):

بایزید اول سلطنت عثمانیہ کے ایک باآثر حکمران تھے۔ بایزید اول نے بھی اپنے دور حکومت میں علمی اور دینی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی اور بڑے پیمانے پر مدارس اور دینی ادارے قائم کروائے۔

CC BY

سلطان مراد کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا بایزید تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا بہادر، حوصلہ مند، فیاز اور اسلامی فتوحات کے بارے میں بڑا جذباتی تھا۔ اسی وجہ سے اس نے فوجی امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اناضول میں قائم نصرانی امارات کو نشانہ بنایا حتی کہ ایک سال کے قلیل عرصے میں یہ تمام امارات یزید نے بلقانی اور اناضولی محاذوں پر اس برق رفتاری سے حملے کیے کہ اسے "الصاعقۃ "کا لقب دیا گیا۔(13)

انہوں نے بڑے شہروں میں اہم تعلیمی ادارے بنوائے۔ جہاں قرآن، حدیث، عربی زبان اور دیگر علوم پڑھائے جاتے تھے۔ یزید اول کے مدارس میں علم و تقوی دونوں کا امتزاج ہوتا تھا جس سے ایسے علماء اور منتظمین تیار ہوئے۔ جو دین اور دنیا دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ان اداروں کو وقف کی صورت میں مالی معاونت دی جاتی تا کہ تعلیم کا سلسلہ بغیر رکاوٹ کے جاری رہے۔ اُنہوں نے **علماء کو سلطنت کا حصہ** بنایا، اور انہیں انتظامی، عدالتی اور مشاورتی امور میں شامل کیا۔ کئی نامور علماء کو چیف جسٹس، مفتی اور مدرس جیسے عہدوں پر مقرر کیا۔ انہیں وظائف اور علم آزادی دی گئی تا کہ وہ تحقیق کے میدان میں آزاد کام کر سکیں۔

محمد فاتح (1451–1481):

سلطان محمد ثانی جو سلطان محمد فاتح کے نام سے معروف ہوئے۔ آل عثمان کے سلسلہ سلاطین کے یہ ساتویں سلطان ہیں جنہیں فاتح اور ابو الخیرات کے لقب سے شہرت ملی۔ ان کا دور حکومت مسلمانوں کے لیے بہت خیر و فلاح اور عزت کا باعث بنا انہوں نے تقریبا 30 سال تک حکومت کی۔(14)

سلطان محمد فاتح علم و علماء سے بہت محبت کرتے تھے اسی لیے انہوں نے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں کئی مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کیے۔ سلطان اور خان وہ پہلا فارمانروا ہے جس نے سلطانت عثمانیہ میں ایک مثالی سکول قائم کیا اور بعد میں آنے والے تمام سلاطین نے اس منہج تدریس کی پیروی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بروسہ ایڈریانوپل اور تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھ گیا۔ سلطان محمد فاتحہ اس میدان میں بھی اپنے اباؤ اجداد سے سبقت لے گئے اور علم کی اشاعت مدارس اور تعلیمی اداروں کے قیام میں اپنی کوششیں صرف کر دیں۔ انہوں نے تعلیم کے شعبے میں بعض اصلاحات کیں۔ منہج ہائے تعلیم کی بہتری اور ترقی کے لیے خود نگرانی کی خدمات سرانجام دیں۔ چھوٹے بڑے تمام شہروں میں مدارس اور سکول قائم کیے اسی طرح دیہاتوں میں بھی تعلیم کا بندوبست کیا اور تعلیم کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بڑی بڑی جائیداد وقف کر دیں۔

ان مدارس کی تنظیم نو کی گئی، کلاسز اور درجات بنائے گئے اور ہر کلاس اور درجہ کے لیے نصاب مقرر کیا گیا۔ امتحانات کا نظام وضع کیا گیا۔ کوئی طالب علم ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں جانے کا مجاز نہیں ہوتا تھا جب تک کہ وہ پہلے مرحلہ کا نظام اچھی طرح پڑھ کر امتحان نہ دے دیتا۔ سلطان محمد فاتح تعلیمی امور کی کڑی نگرانی کرتے تھے اور خود اس بارے ہدایات دیتے تھے۔ کبھی کبھار طلبہ کے امتحانات کے دوران حاضر ہو جاتے و قتاً فو قتاً مدارس کا معائنہ کرتے۔ اساتذہ جو درس دے رہے ہوتے تھے اسے طلبہ میں بیٹھ کر سنتے اور اسے عار خیال نہیں کرتے تھے۔ طلبہ کو محنت کوشش اور جدوجہد کی تلقین کرتے تھے اور جو اساتذہ یا طلبہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے انہیں عطیات دیتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ پورے ملک میں معتلیم مفت دی جاتی تھی اور اس پر طلبہ کا کچھ خرچ نہ اٹھتا تھا۔ ان مدارس کے اندر جو نصاب تعلیم مروج تھا ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، بلاغت، معنی بیان، بدیع اور ہندسہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

قسطنطنیہ میں ان کی مسجد کے پہلو میں آٹھ مدرسے تھے۔ جہاں پر آخری مرحلہ کی تعلیم مکمل کروائی جاتی تھی۔ ان مدارس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لیے کمرے بھی تھے۔ سونے اور کھانے کے کمرے الگ الگ تھے۔ ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان مدارس میں پورا سال تعلیم ہوتی تھی۔ مدارس کے ساتھ لائبریری بھی ہوتی اور لائبریرین کی خدمت صرف اس شخص کے سپرد کی جاتی تھی جو علم و تقوی کا حامل ہوتا اور کتابوں اور مصنفین کے اسماء میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ لائبریرین طلبہ اور اساتذہ کو مطلوبہ کتاب عاریتاً دیتے اور ایک خاص نظام کے تحت کتاب ایشو کی جاتی۔ وہ کتابیں جو ایشو کی جاتی ہیں ان کے نام ایک علیحدہ رجسٹر میں درج ہوتے۔ کتاب لینے والا اس بات کا پابند ہوتا کہ وہ کتاب مقررہ تاریخ پر واپس کرے اور کتاب کو کوئی نقصان نہ پہنچا ہو اس کی جلد بھی سلامت ہو اور عراق بھی پھٹے ہوئے نہ ہوں۔(15) کم از کم تین ماہ کے بعد لائبریری کا آڈٹ کیا جاتا۔ ان مدارس میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے علاوہ پی ایچ ڈی تک تعلیم دی جاتی تھی علوم نقلیہ اور عقلیہ کے مخصوص سیکشن تھے۔ اسی طرح ٹیکنیکل العلوم کے بھی کئی سیکشن تھے۔ پورے ملک میں تعلیم کی قدردانی عروج پر تھی۔ علماء اور اہل ثروت مدارس، مساجد، تعلیمی ادارے اور ویلفیئر ٹرسٹ بنانے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہتے تھے۔(16)

علماء کی قدردانی:

محمد فاتح علماء اور ادباء کا بڑا قدردان تھا۔ ان کی نظر میں اہل علم انسانیت کا فخر تھے انہوں نے علماء کو اپنے قریب کیا۔ ان کی عزت افزائی کی۔ انہیں کام کرنے اور نئی نئی کتابیں لکھنے کی ترغیب دی اور ان پر دولت خرچ کی۔ علماء کی عطیات اور تنخواہوں میں اضافہ کیا اور ان کے لیے وظائف جاری کیے تا کہ وہ اطمینان کے ساتھ تعلیم اور تعلم کی طرف توجہ دے سکیں۔ اپ نے ان کی بے حد تعظیم کی اگر کوئی دشمن ہم کرلیں بی عالم ہوتا تو اس کی بھی قدردانی کرتے اور اس کی دشمنی کو اس راہ میں آڑے نہ آنے دیتے۔ جب آپ نے قرمان کو اپنی سلطنت میں شامل کیا تو مزدوروں اور کاریگروں کو

cc BY

قسطنطنیہ لے جانے کا حکم صادر کیا ان کے وزیر روم محمد پاشاہ نے لوگوں پر سختی کی جن میں کچھ علماء بھی تھے۔ ان میں ایک کا نام احمد چلپی تھا جو سلطان امیر علی کے فرزند تھے۔ جب سلطان کو معلوم ہوا کہ احمد جلبی عالم ہے اور وزیر روم محمد پاشاہ نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے تو سلطان نے ان سے معذرت کی اور انہیں اپنے رفقاء کی نوعیت میں عزت واکرام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

اوزون حسن ترکمانوں کے سردار جو کئی بار علم میں بغاوت بلند کر چکے تھے اور کئی بار عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے۔ عظیمت خوردہ سلطان محمد فاتح کے سامنے پیش کیے گئے اس کے ساتھ کئی دوسرے قیدی بھی تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ سوائے اہل علم و معرفت کے۔ ان قیدیوں میں قاضی محمد شریح بھی تھے۔ جو اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم تھے۔ سلطان نے ان کی حد درجہ تعظیم کی اور ان سے کسی قسم کا تعارض نہ کیا۔

سلطان محمد فاتحہ علماء اور اہل تقوی کا بڑا احترام کرتا تھا وہ کبھی کبھار معمولی غلطی پر آپے سے باہر ہو جاتا لیکن بہت ہی جلد وہ اپنے وقار کی طرف لوٹ آتا اور علماء کی عزت کرنے لگتا۔

کتب تاریخ بیان کرتی ہیں کہ سلطان محمد نے اپنے ایک خادم کے ہاتھ علامہ کورانی کی طرف شاہی فرمان بھیجا۔ ان دنوں علامہ قرانی لشکر کے قاضی تھے۔ اس فرمان شاہی میں علامہ کورانی نے کوئی بات خلاف شرع دیکھی تو آگ بگولہ ہو گئے۔ فرمان شاہی کو پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور سلطان کے خادم کی خوب پٹائی کی۔ سلطان کو اطلاع ملی تو وہ شیخ کے اس عمل سے بہت برہم ہوئے فوراً انہیں ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔ دونوں میں رنجش پیدا ہو گئی علامہ کورانی مصر چلے گئے۔ جہاں سلطان قیتبائی نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ان کی نہایت عزت و تکریم کی انہیں ایک عرصہ تک اپنے پاس ٹھہرایا۔ کچھ عرصہ بعد محمد فاتح کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سلطان کو خط لکھا اور شیخ کورانی کو واپس بھیجنے کی درخواست کی۔ سلطان مصر کے تباہی نے سلطان محمد فاتح کے خط سے شیخ کورانی کو آگاہ کیا اور عرض کیا کہ آپ نہ جائیں ہمارے پاس ٹھہریں میں ان سے بڑھ کر اپ کی خدمت کروں گا۔ علامہ نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میرے اور ان کے درمیان محبت کا ایک عظیم رستہ ہے جسے باپ بیٹے میں ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ہمارے درمیان رنجش پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اپ نے مجھے نہیں جانے دیا اور اسی طرح تم دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو جائے گی۔ سلطان مصر کو یہ بات بہت پسند آئی۔ شیخ کو مال و دولت سے خوب نوازا۔ انہیں زادراہ بھی دیا ان کے ہاتھوں سلطان کو تحائف بھیجے اور انہیں بڑی عزت سے رخصت کیا علامہ قرانی کو دوبارہ منصب قضا دیا گیا اور سلطان نے خوب نوازا اور ان کی پہلے سے بڑھ کر تکریم کی۔ (17)

سلطان محمد فاتح کو جب بھی معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کوئی عالم ہے اور تنگدست ہے۔ تو فوراً اس کے پاس پہنچتے۔ اس کی دل جوئی کرتے اور اس کی مدد کر کے اسے انور دنیاداری سے بے نیاز کر دیتے۔

رمضان شریف میں سلطان کا یہ معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد قصر شاہی میں آتے اور علماء مفسرین کی ایک جماعت ساتھ ہوتی۔ ان میں سے ایک مفسر روزانہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتا اور دوسرے علماء اس کے ساتھ بحث کرتے۔ سلطان خود بھی اس مباحثہ اور مناقشہ میں حصہ لیتا۔ سلطان ان علماء کی خوب عزت افزائی کرتا۔ انہیں عطیات سے نوازتا اور خطیر رقم ان کی خدمت میں پیش کرتا۔

شاعروں اور ادیبوں کی قدر افزائی:

ادب عثمانی کے مؤرخ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان محمد فاتح ادبی ترقی کے سرپرست اور ایک بلند پایا شاعر تھے۔ انہوں نے 30 سال حکومت کی۔ یہ 30 سال شادابی، خوشحالی، برکت و ترقی کے سال تھے۔ ابو الفتح کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ کئی مطلق العنان بادشاہوں پر غالب آئے۔ سات ملک فتح کیے۔ 200 شہروں پر قبضہ کیا علم اور عمل کو بڑی حیثیت دی اسی طرح وہ ابو الخیرات کے نام سے بھی معروف ہوئے۔

سلطان محمد فاتح ادب کے بالعموم اور شعر کے بالخصوص قدردان تھے۔ شعرا کو اپنی بارگاہ میں باریابی کی اجازت دیتے تھے۔ انہیں سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بہت سے شعرا کو انہوں نے اپنی مصاحبت کے لیے چن رکھا تھا ان میں احمد پاشا، محمود پاشا، اور قاسم جزری پاشاہ کے نام سرفہرست ہیں۔ اور یہ چند اور شعرا دربار شاعر تھے اور ان کی کل تعداد 30 بنتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک شاعر کو تقریباً ایک ہزار درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا اپ طبعی طور پر چاہتے تھے کہ شعرا اور ادباء ان کے علمی اور ادبی کارناموں کا تذکرہ کریں اور اسی سلسلے میں بہترین شعر موضوع کریں۔ (18)

سلطان محمد فاتح شعراء سے وقار سے گری ہوئی باتوں بے حیائی اور بدخوئی کو ناپسند کرتے تھے اور جو لوگ آداب شعری سے نکل جاتے انہیں قید کی سزا دیتے یا اپنے دربار سے نکال دیتے۔ (19)

تراجم کتب کا اہتمام:

سلطان محمد فاتح خود رومی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اسلامی دنیا میں فکری و نظریاتی ترقی کے لیے یونانی، لاطینی، عربی اور فارسی کی بہت سی کتب کو ترکی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک مشہور کتاب بلو تارک کی کتاب شاہیر الرجال ہے اسی طرح امام الزہراوی جو اندلس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی کتاب التصریف فی الطب کا ترجمہ کروایا اور اس میں اضافہ کرتے ہوئے ان آلات جراحی کی تصویریں بھی دیں جو اپریشن میں کام آتے تھے۔

cc BY

جب بطلیموس کی کتاب جو جغرافیہ میں تھی ہاتھ لگی اور اس میں ایک نقشہ دیکھا تو خود اس کے مطالعہ اور تحقیق کا اہتمام کیا اور معروف رومی عالم جارج امیر وتزوس کو بھی اپنا شریک کیا پھر محمد فاتح نے اس رومی عالم اور اس کے بیٹے سے جو رومی اور عربی دونوں زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ مطالبہ کیا کہ وہ اس کے ناموں کی تحقیق کر کے نقشہ کو دوبارہ تیار کریں اس رومی عالم نے دو نسخے تیار کیے۔ ایک عربی میں اور دوسرا رومی میں۔ سلطان نے ان کی اس کارکردگی کو سراہا اور انہیں اس کام کا بہت بڑا معاوضہ دیا۔

سلطان کو عربی زبان سے خاص لگاؤ تھا کیونکہ وہ قرآن کریم کی زبان تھی اور اس دور کیبیہ علمی زبان سمجھی جاتی تھی جس میں قدیم وجدید ہر قسم کے علوم وفنون مدون ہو چکے تھے۔ عربی زبان سے محبت اور اس کی ترویج کے لیے کوشش کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے آٹھ مدارس کے مدرسین کو یہ حکم دیا کہ وہ چھ کتابوں کو علم الفقہ میں جمع کریں جیسے صحاح ستہ، القاموس اور اسی طرح کی دوسری کتابیں۔ محمد فاتح نے ترجمہ وتالیف کی تحریک کی مدد کی تاکہ پبلک لائبریریاں قائم ہوں اور اسلامی اور علمی معارف سے لوگ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں انہوں نے اپنے محل میں ایک بہت بڑی ذاتی لائبریری قائم کی۔ جس میں مختلف قسم کی تالیفات جمع کیں۔ شیخ لطفی کو اس کا نگران مقرر کیا جو ایک بہت عالم تھے۔ اس لائبریری میں 12 ہزار کتابیں تھیں۔ یہ لائبریری 1465 میں نظر آتش ہو گئی تھی۔ پروفیسر دیزمان نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ لائبریری مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ایسا مرکز تھی جہاں سے علوم ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں منتقل ہوتے تھے اور اخذ وقبول کا سلسلہ اس کی وساطت سے ممکن بن گیا تھا۔[20]

سلیمان قانونی:

سلیمان قانونی طرابزون کے شہر میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں ان کے والد سلیم خان طرابزون کے حاکم تھے۔ والد نے اپنے بیٹے سلیمان کی تعلیم وتربیت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ بچپن سے انہیں علم و ادب کی محبت اور علماء وادباء وفقہاء کی قدردانی کا سبق سکھایا۔ سلیمان بچپن ہی سے سنجیدگی اور وقار میں مشہور تھے۔ 26 سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ تمام کام نہایت سوچ کے کرتے تھے۔ جو بھی کام کرنا ہوتا تھا اس میں کبھی بھی جلدی نہیں کرتے تھے بلکہ سوچ وبچار کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھاتے تھے۔ پھر جب کوئی فیصلہ کر چکے تو اسکو کسی صورت واپس نہیں لیتے تھے۔

سلیمان القانونی نہ صرف فتوحات کے ذریعے سلطنت کو وسعت دی بلکہ علم، قانون اور تعلیم کو بھی باقاعدہ ریاستی ترجیحات میں شامل کیا۔ جس کے تحت مدارس کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور ان کا انتظام ایک مرکزی نظام کے تحت کیا گیا۔ انہوں نے تعلیمی قوانین مرتب کروائے جن کی روشنی میں مدارس کا نصاب، طلبہ کے داخلے، تعلیمی اخراجات کا تعین ہوتا تھا۔ نصاب میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ فنون، فقہ، سائنس، طب اور فلسفہ جیسے عقلی علوم کو بھی شامل کیا گیا۔[21]

سلیمان کے دور میں فنون لطیفہ کو بھی بے پناہ ترقی ملی۔ اس دور میں اسلامی قانون کو بھی منظم کیا گیا اور عدالتی نظام میں تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل قاضی اور مفتی بھی مقرر کیے گئے۔

سلیمان القانونی کا دور عثمانی سلطنت کی تہذیبی اور فکری ترقی کا عروج تھا ان کے مرتب کردہ تعلیمی نظام اور علوم کے فروغ نے نا صرف عثمانی معاشرے کو مضبوط کیا بلکہ اسلامی دنیا میں بھی ان کو ممتاز مقام عطا کیا۔

(1876–1909): عبدالحمید ثانی

سلطان عبدالحمید دولت عثمانیہ کے سلاطین میں 34واں سلطان تھا۔ 34 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ سلطان عبدالحمید نے قصر سلطان میں اپنی دور کے خلاف اور علم میں مایاناز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں کی تحصیل کی۔ تصوف کے رموز ومعارف سے اگاہی حاصل کی اور ترکی عثمانی زبان میں اشعار بھی کہے اور ان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔[22]

سلطان عبدالحمید جب تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ تعلیمی ادارے اور ان کا نظام وتعلیم مغربی فکر سے کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور قومیت پرستی کا رجحان ان مدارس پر چھایا ہوا ہے تو انہوں نے ان تعلیمی اداروں کے معاملات میں دخل دیا اور انہیں اپنے پالیسی میں اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ سلطان نے ان تعلیمی اداروں کے بارے میں جو پالیسی مرتب کی اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1- جنرل ادب اور جنرل تاریخ کے مضامین کو نصاب تعلیم سے خارج کرنا کیونکہ یہ دونوں مضامین مغربی ادب اور دوسری قوموں کی تاریخ کے وسائل کا ایک ذریعہ بن رہے ہیں اور ان سے مسلمان طلبہ منفی اثر قبول کر رہے ہیں۔

2- نصاب میں فقہ، تفسیر اور اخلاقیات کی تعلیم کو شامل کرنا۔

3- صرف اسلامی تاریخ کی تدریس پر اکتفا جس میں عثمانیوں کی تاریخ بھی شامل ہے۔

سلطان عبدالحمید نے عباس ایسے مدارس قائم کیے جن کی نگرانی وہ خود کرتے تھے اور ان مدارس کو انہوں نے اسلامی اتحاد تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ خیال کیا۔[23]

CC BY

سلطان نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے الگ ادارے قائم کیے جہاں ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ سلطان نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط پر بھی پابندی عائد کردی۔ اس پر جمعیت الاتحاد الترقی نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ وہ عقل اور علم کے دشمن ہیں۔ سلطان نے ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا: اگر میں علم وعقل کا دشمن ہوتا تو تعلیمی ادارے کھولتا؟ اگر میں علم کا دشمن ہوتا تو بچوں کے لیے ٹریننگ سینٹر کھولتا؟ جن میں انہیں مردوں سے الگ ٹریننگ دی جاتی ہے۔ [24]

مدرسۃ العشائر کا قیام:

سلطان عبدالحمید نے استنبول میں مقر خلافت و مرکز سلطنت ہونے کی بنا پر مدرسۃ العشائر العربیہ عربی خاندان کا سکول قائم کیا تا کہ یہاں حلب، شام، بغداد، بصرہ، موصل، دیار بکر، مغربی طرابس، یمن، حجاز القدس کے صوبوں کے عربی خاندان کے بچوں کے تعلیم وتربیت کی جا سکے۔

اس سکول میں مدت تعلیم پانچ سال رکھی گئیبہ داخلی سکول تھے جن میں طلبہ کے جملہ اخراجات دولت عثمانیہ پورے کرتی تھی ہر طالب علم کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا یہ وظیفہ ہر دو سال بعد ملتا تھا اس کے علاوہ طلبہ کا سفری خرچ بھی حکومت کے ذمہ تھا۔

استنبول کے مدرسۃ العشائر کا نصاب:

اس سکول کا نصاب کچھ اس طرح مقرر کیا گیا:

پہلا سال: قرآن کریم، حروف ابجد کی لکھائی۔ دینی علوم، ترکی زبان پڑھنے کی تعلیم، ترکی زبان لکھنے کی مشق، عسکری ٹریننگ۔

دوسرا سال: قرآن کریم، تجوید، دینی علوم، املاء، ریاضی، ترکی کی قرآت، خوش نویسی، عسکری ٹریننگ۔

تیسرا سال: قرآن کریم، تجوید، علوم دینیہ، املاء، خوش نویسی، ریاضی، جغرافیہ، فرانسیسی زبان، ٹریننگ۔۔

چوتھا سال: قرآن کریم، تجوید، دینی علوم، عربی، صرف، فارسی زبان، کتابت، ترکی گرائمر، جغرافیہ، ریاضی، خوشنویسی، فرانسیسی زبان، ٹریننگ۔۔

پانچواں سال: قرآن کریم، تجوید، علوم دینی، عربی نحو، فارسی زبان، عثمانی تاریخ، عثمانی قواعد، ترکی زبان کی قرآت اور کتابت ترکی میں گفتگو، جغرافیہ، ریاضی، انجینئرنگ، خوش نویسی، جنرل نالج، حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم، دفتری امور کی انجام دہی کی ٹریننگ، فارسی زبان، فرانسیسی۔ [25]

اس سکول سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہونے والے طلبہ بڑے فوجی ٹریننگ سکولوں میں داخل ہوتے تھے اور پھر بڑے بڑے عہدوں پر فائض ہوتے تھے یہاں سے فارغ ہونے والے لوگ شاہی اسکولوں میں بھی داخل ہو سکتے تھے جہاں ایک سال پڑھنے کے بعد وہ بہت بڑی ڈگری حاصل کرتے تھے اور اس کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں واپس ہو جاتے تھے۔ [26]

اس کے علاوہ سلطان عبدالحمید نے واعظین اور مقررین کے لیے ایک الگ ٹریننگ ادارہ قائم کیا۔ جس میں ایسے افراد تیار کیے جاتے تھے جو اسلامی دعوت کا پرچار کرتے تھے۔ اسلامی اتحاد کا پیغام دنیا میں پھیلاتے اور رائے عامہ کو خلافت اور اسلامی اتحاد کے حق میں ہموار کرتے تھے۔ [27]

مدرسۂ نظامیہ:

محققین مدرسۂ نظامیہ بغداد کو "اسلامی نشأۃ ثانیہ" کا ادارہ قرار دیتے ہیں۔ اسے عظیم سلجوق سلطنت کے وزیرِ باتدبیر؛ نظام الملک ابو علی حسن ابن علی الطوسی نے گیارہویں صدی میں قائم کیا تھا۔ نظام الملکخود بھی اعلی علمی شخصیت تھے اور علمو اہلِ علم کو محبوب رکھتے تھے۔ ان کی دینی خدمات کی وجہ سے علمائے کرام نے انھیں "قوام الدین" کا لقب عطا کیا۔ نظام الملکنے نیشاپور اور دوسرے شہروں کے مدرسۂ نظامیہ کی طرز پر مدرسے قائم کیے۔ یہ مدارس اسلامی دنیا میں اعلی تعلیم کے منظم ادارے تھے۔ یہاں تعلیم کا معیار اتنا اعلیٰ تھا کہ ان کی شہرت، یورپ حسرت سے سنا کرتا تھا۔ اگرچہ منگولحملوں نے مدرسوں کو بھی تباہ وتاراجکیا لیکنبعدمیں عثمانی سلطنت کی سرپرستیمیں "نظامیہ مدرسوں" نے مسلمانوں کی دینی وعلمی خدمتجاری رکھی۔

چودھویں اور پندرھویں صدی میں، اناطولیہسے مشرق کے علمی مراکز سے فیضیاب ہونے والے طالب علموں نے اسلامی ثقافتی ورثے سے بہت سے ثمرات وآثار جمع کیے اور انھیں اپنے ساتھ لے جاتے رہے۔ یہ اسکالرز فارسی جامع العلوم عالم فخر الدین الرازی (۱۱۵۰-۱۲۱۰) کے اسکول سے وابستہ تھے۔ شمس الدین الفناری سلطنت عثمانیہ میں اس اسکول کے پہلے نمائندے تھے۔ افواہ کی بات یہ ہے کہ جب الفناری کی وفات ہوئی، تو اس نے دس ہزار جلدوں کی کتابوں کا ایک مجموعہ اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ الفناری کے بعد، اس اسکول کے سرکردہ نمائندے ملا یگان، سلطان محمود دوئم (جسے محمود فاتح بھی کہا جاتا ہے) کے دور میں مشہور اسکالرز میں سے ایک اور خدر بک، استنبول کے پہلے قاضی (ایک مسلم جج جو اسلامی فقہ کی ترجمانی اور اس کا انتظام کرتا ہے) تھے۔ ان علماء و معلمین نے کسی طے شدہ لازمی نصاب کے مطابق تعلیم نہیں دی تھی۔ اس کی وجہ سے سال بہ سال، عثمانی مدرسوں میں پڑھائی جانے والی کتابوں کی فہرست درج کرنا مشکل ہے۔ ان کے مدارس میں،

CC BY

علماء و معلم براہ راست تعلیم کے اصولوں کا تعین کرتے اور اپنی مہارت کے شعبے میں ریفرنس کتابیں پڑھاتے تھے۔ جب طلبہ ایک خاص علمی سطح پر پہنچ جاتے تھے تو انھیں ایک اجازہ (اجازت نامہ) جاری کیا جاتا تھا جس کا مقصد حاصل شدہ علم کو آگے منتقل کرنے کی اجازت دینا تھا۔ (جس کا مقصد پہلے سے ہی اختیار رکھنے والے کے ذریعے دیا ہوا کچھ خاص علم منتقل کرنا تھا)۔

اساتذہ کے لکھے ہوئے ان اجازات میں یہ معلومات شامل ہوتی تھیں کہ طالب علم نے کونسے علوم حاصل کیے ہیں اور اس ضمن میں کون سی کتابیں پڑھی ہیں اور آگے وہ کونسی کتابیں اور علوم پڑھا سکتا ہے۔ عثمانی مدرسوں کے جاری کردہ بیشتر اجازات علماے کرام کے ایک سلسلۂ سند کو امام فخر الدین الرازی تک پہنچتے ہوئے دکھاتے ہیں۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون سی کتابیں مدرسے کے طلبہ کی تربیت میں استعمال ہوتی تھیں، ہمیں کئی طریقوں سے تحقیق کرنی پڑتی تھی۔ تاریخ کی کتابیں اور علماء کی سوانح عمریں کچھ رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ گلیبولولو مصطفیٰ علی (۱۵۴۱۔۱۶۰۰)، ایک عثمانی مؤرخ اور مصنف ہیں جن کی کتابوں میں سلطان محمود فاتح کے دور سے پڑھائی جانے والی کتابوں کی پہلی تفصیلی فہرست میسر ہوتی ہے۔ اس وقت کے رئیس الکتاب (اس وقت کے وزیر خارجہ کے مساوی) مصطفیٰ آفندی کی سربراہی میں ایک کمیٹی کے ذریعے تحریر کردہ "الکواکب السبعة" (سات ستارے)، یہ پہلا مطالعہ ہے جو پڑھائی گئیں کتابوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ یہ کتاب مارکوئس ڈی ویلینیو کی درخواست پر تیار کی گئی تھی، جو استنبول میں فرانسیسی سفیر تھے۔ ایک اور اشارہ مدارس کے کتب خانوں کی فہرستوں سے ملتا ہے۔ فوت شدہ اساتذہ اور طلبہ کی جائداد کے تعین کے لیے رکھے گئے "ٹیرک" (ورثے کے ریکارڈ)، بھی اس امر پہ روشنی ڈالتے ہیں۔ ان ریکارڈوں کی جانچ کرنے والے ادبی مؤرخ پروفیسر اسماعیل ایرانسل نے ان عام کتابوں کی فہرستیں شائع کی ہیں جو اہل مدارس میں متداول تھیں۔ دستیاب شواہد پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدرسے کے طلبہ پہلے قرآن مجید پڑھتے اور حفظ کرتے تھے۔ عربی اور اس کے ادبی فنون کے علم کو عثمانی دانشور ایک لازمی امر سمجھتے تھے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ قرآن سیکھنے سے اس کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ ایک لحاظ سے عربی اسلامی دنیا کی مشترکہ تعلیمی زبان تھی۔ مدارس میں عام طور پر پڑھائی جانے والی کتابوں میں عربی گرامر کی کتابیں اور لغات پائی گئیں۔ ایسے علماے کرام جو کبھی بھی کسی عرب ملک نہیں گئے تھے، ان کے پاس عربی گرامر کی کتابیں تھیں۔ عالم دین اور ماہرِ اخلاقیات محمد برکوی کی کتابیں "اظہار" اور "عوامل" صدیوں سے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں جن میں انھوں نے عربی سیکھنے کا آسان طریقہ فراہم کیا تھا۔ تعلیم کے دورانیے کے علاوہ برگیوی نے عثمانی سلطنت میں ازمیر کے قریب برگیشہر کبھی نہیں چھوڑا جہاں وہ ایک عالم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ تاہم، انھوں نے متعدد شعبوں میں جو کتابیں لکھیں وہ سلطنت میں عام رائج تھیں۔ ان کی کتاب "وسائیت نام" ایک مشہور و معروف دینی کتاب تھی جس نے نہ صرف طلبہ بلکہ پوری عوام کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

عربی گرامر کی کتابوں کی تعلیم کے بعد مدارس میں طریقہ کار سے متعلق کتابیں پڑھی گئیں، کیونکہ مناسب طریقہ کار کے بغیر اہداف حاصل نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ فلکیات، جیومیٹری اور کیلکولوس سے متعلق کتابیں بھی تدریسی سوچ کو بڑھانے کے لیے پڑھائی گئیں۔ طلبہ کی تدریسی سوچ کی مہارت کے لیے منطق پر مبنی کتابیں ضروری تھیں۔ سیریا کی فلسفی پورفیری کی کتاب "آئسگوج" قرونِ وسطیٰ میں فلسفے پر ایک معیاری درسی کتاب، لاطینی اور عربی تراجم کے ساتھ، ان میں سے ایک تھی۔

کسی طالب علم کو کسی فن کا ایک مرجع اور اہم بنیادی کتاب پڑھا دینا، افرد کے فارغ التحصیل ہونے کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا، جس کے بعد طالب علم اپنے آپ کو اس شعبے میں از خود بہتر بناتے تھے جس میں انھوں نے مہارت حاصل کرنی ہوتی تھی۔ اگر طالب علم کو کبھی بھی کسی مسئلے کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ جانتے تھے کہ متعلقہ معلومات کہاں سے ملتی ہیں۔ پروفیسر ایرانسل نے دانشوروں کے ٹیرک ریکارڈ میں دو بنیادی کتابیں پائیں: پہلی کتاب فقیہ ابراہیم الحلبی کا سب سے مشہور کام، "ملتقی الابحر" (سمندروں کا سنگم) تھی، جو ۱۵۱۷ میں لکھی گئی تھی۔ یہ کام حنفی مسلک کی پہلے کی متعدد معیاری تالیفوں کی ایک کشش ہے۔ کتاب کے اثر و رسوخ کا ذکر کرتے ہوئے، سفارتکار اور مصنف جیمس لیوس فارلینے کہا: "سلطان ترکوں پر حکومت کرتا ہے، اور قرآن اور ملتقی سلطان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ دوسری کتاب اسلامی قانون کے عنوان پر " ڈیرلل الحکام" سلطان محمود فاتح کے سرپرست ملا حصریفنے لکھی تھی۔

مدرسوں نے ادب میں بنیادی طور پر شاعر کے دیوان پڑھائے۔ اسمیں طلبہ کے لیے زبان و ادب کے علاوہ گہری اور تھکن آور پڑھائی کے دوران آرام و سکون کا موقع ہوتا ہے۔ تدریس کے وقفوں اور شام کے اوقات میں طلبہ ادب پر گفتگو کرتے، شاعری اور بیت بازی کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ ایک طالب علم ایک شعر پڑھتا، مقابلہ کرنے والے دوسرے طالب علم کو اُس شعر کے آخری حرف سے شروع ہونے والا کوئی شعر پڑھنا ہوتا تھا، جس کا جواب پہلے طالب علم کو اسی طریقے سے دینا پڑتا تھا، اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا۔ اس طریقے سے انھوں نے اپنی یادداشت کی مہارت کو پرکھا اور اس میں اضافہ کیا۔ برابری کی صورت میں، شاعر کو اپنے مخالف کے آخری لفظ کا آخری حرف استعمال کرنا پڑتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ مقابلوں میں ہزاروں جوڑے سنائے گئے تھے۔ ریکارڈز کے مطابق، سعدی شیرازی کی کتابیں جنھیں "بوستان" اور "گلستان" کہا جاتا ہے عام طور پر پڑھائی جاتی تھیں۔ عبد الرحمن جامی کا دیوان اور تیرہویں صدی کے صوفی مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی ادبی فن پاروں میں شامل ہیں۔ (28)

مدرسۂ نظامیہ ایک تاریخی علمی ادارہ ہے جسے نظام الملک نے گیارہویں صدی میں قائم کیا۔ یہ مدرسہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور پورے عالمِ اسلام میں اعلیٰ تعلیمی معیار کی بنیاد بنا۔ اس کے اثرات عثمانی سلطنت تک پہنچے جہاں علمی روایتوں کو آگے بڑھایا گیا۔ ان مدارس میں دینی، عقلی، ادبی اور سائنسی علوم کا جامع نصاب رائج تھا۔ مدرسۂ نظامیہ کی علمی خدمات نے اسلامی تہذیب کو صدیوں تک زندہ رکھا۔

OPEN ACCESS

CC BY

سلطنتِ عثمانیہ میں تعلیمی اصلاحات:

سلطان نے سلطنت عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی دی اور ہر مسجد کے ساتھ سکول یعنی مکتب اور مدرسے یعنی کالج قائم کئے گئے، اس وقت سلطنت عثمانیہ میں عیسائیورپ کے برعکس عوام کو مفت تعلیم دی جاتی تھی، اعلیٰ تعلیم کے خواہاں طلباء کو گرائمر، مابعد الطبیعیا تیامیٹافزکس، فلکیات اور علم نجوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس نے عوامی فلاح کے لیے وسیع پیمانے پہ حمام، رہائش گاہیں، اور کتاب گھر یعنی لائبریریاں قائم کیں۔ سلطنت عثمانیہ کے سائنسدان اور موجد تقی الدین نے 1577ء میں فلکیاتی مشاہدات کے لیے ایک رصد گاہ قائم کی جہاں 1580ء تک فلکیاتی مشاہدات کئے گئے۔ اس نے سورج کے مدار کا انحراف یااور اوج ارض یا کی سالانہ حرکت شمار کی۔[29] لیکن رصد گاہ سے علم نجوم سے وابستہ امیدیں رکھی گئیں نہ کہ علم فلکیات کی تحقیق کی لہذا جب سلطان کی فتح کی ایک پیشین گوئی غلط ہوئی تو رصد گاہ کو فضول جانتے ہوئے اسے تباہ کر دیا گیا اور علم نجوم چونکہ مذہبی طبقوں کی نظر میں گناہ تھا اس لئے بھی اس کی مخالفت کی گئی (لیکن اس بات کی اس زمانے کے تاریخی ذرائع سے تصدیق نہیں ہو سکی کہ اس میں مذہبی عنصر تھا یا نہیں کیوں کہ کئ دیگر مورخین کی نظر میں ایک پیشین گوئی غلط ہونے پہ بادشاہ نے اسے تباہ کرا دیا تھا اور اگر یہ پیشین گوئی غلط نہ ہوتی تو گناہ ثواب کا خیال کئے بغیر یہ ضرور جاری رکھی جاتی)۔ تقی الدین نے 1551ء میں عثمانی مصر میں دنیا کا پہلا سٹیم انجن ایجاد کیا۔[30]

تقی الدین نے 1551ء میں عثمانی مصر میں دنیا کا پہلا سٹیم انجن ایجاد کیا، مگر اس کا اعتراف بعد میں یورپ کو دے دیا گیا۔ 1577ء میں اس نے ایک رصد گاہ قائم کی، لیکن اس سے علم فلکیات کی بجائے علم نجوم سے امیدیں وابستہ کی گئیں۔ جب سلطان کی ایک پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی تو رصد گاہ کو غیر مفید سمجھ کر تباہ کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق اس فیصلے میں مذہبی مخالفت کا عنصر غیر واضح ہے، اصل وجہ پیشین گوئی کی ناکامی تھی۔ لیکنیورپ نے روایتی علمی چوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے جارج سٹیفن سن سے منسوب کر دیا۔ 1660ء میں سلطنت عثمانیہ کے عالم ابراہیم آفندی نے نول دوریت کے فرانسیسی فلکیاتی کام کا عربی زبانمیں ترجمہ کیا جس کو 1637ء میں تصنیف کیا گیا تھا۔[31] میں ابراہیم متفرقہ نے وزیر اعظم ابراہیم پاشا اور مذہبی طبقے کو پینٹنگ پریس کی اہمیت کے بارے میں قائل کیا اور سلطان احمد سوم نے متفرقہ کو اجازت دی کہ وہ غیر مذہبی کتابوں کی اشاعت کا کام پینٹنگ پریس پہ شروع کرے۔

1493 میں سلطنت عثمانیہ میں استنبول میں پہلا پینٹنگ پریس قائم ہوا۔ چھپنے والی پہلی کتاب ایکیہودی عبرانی تصنیف تھی۔[32] یورپ نے سلطنتِ عثمانیہ کے سائنسدانوں کی کئی ایجادات کو اپنے نام سے منسوب کیا، جیسے سٹیم انجن کو جارج سٹیفن سن سے جوڑ دیا گیا۔ 1660ء میں عثمانی عالم ابراہیم آفندی نے فرانسیسی فلکیاتی کام کا عربی ترجمہ کیا۔ ابراہیم متفرقہ نے پینٹنگ پریس کی اہمیت اجاگر کی اور سلطان احمد سوم سے غیر مذہبی کتب کی اشاعت کی اجازت حاصل کی۔ 1493ء میں استنبول میں پہلا پینٹنگ پریس قائم ہوا، جس کی پہلی چھپی ہوئی کتاب ایک عبرانی تصنیف تھی۔ بعد ازاں سلطنت کے صوبے بوسنیا ہرزیگووینا میں 1519_23 کے درمیان ایک چرچ کے لیے پینٹنگ پریس قائم کیا گیا۔ 1554ء میں برصہ میں پینٹنگ پریس قائم کیا گیا۔ 1729ء میں استنبول میں غیر مذہبی کتابوں کی اشاعت کے لیے پینٹنگ پریس قائم کیا گیا۔ اس کے اصل مخالف مولوی نہیں بلکہ خطاط تھے جن کا بنیادی تعلق مذہبی کتابیں اور قرآن شریف لکھنے سے تھا، ان کو چھپی ہوئی کتابیں آنے سے اپنے کاروبار ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ مذہبی طبقے پہ اس کی مخالفت کا الزام رکھ ہے اور اکثر علماء نے پینٹنگ پریس کی حمایت کی۔ ان خطاطوں کو مولوی سمجھ کر مولویوں پہ پینٹنگ پریس کی پابندی کا الزام لگا دیا گیا۔ 1729ء میں سلطان احمد سوم نے غیر مذہبیکتابوں کی چھپائی کی اجازت دے دی کیونکہ مذہبی کتابوں کی چھپائی کی مخالفت خطاط کر رہے تھے جن کو اپنا کاروبار ڈوبنے کا ڈر تھا۔[33] اس طرح سائنسی کتب کی پینٹنگ پریس میں چھپائی پہ کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ اگر تھی تو بھی تو صرف مذہبی کتب کی چھپائی پہ۔ یہ بات لبرل اور سیکولر اور ملحد مصنفین کے اس اعتراض کی تردید کرتی ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں پینٹنگ پریس پہ پابندی کی وجہ سے مسلم دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے رہ گئی۔ متفرقہ کے پینٹنگ پریس نے 1729ء میں پہلی کتاب چھاپی اور 1743ء تک سترہ کتابوں کی 23 جلدیں چھاپی جاچکی تھیں جن میں سے ہر ایک کی تیار کی گئی نقول کی تعداد پانچ سو سے ایک ہزار کے درمیان تھی۔

سلطنت عثمانیہ سترہویں صدی کے اواخر تک ایک مضبوط فوجی طاقت رہی۔[34] عثمانی سلطان عبد الحمید اول نے سلطنت کی فوج میں اصلاحات لانے کا اعلان کیا۔ اس نے سلطنت کینگ چری فوج اور بحریہ کو جدید بنانے کی کوشش کی۔ اس نے سلطنت کا پہلا امپیریل نیول انجینئیرنگ سکول قائم کیا۔ وہ انتہائی معزز سلاطین میں سے تھا۔ قسطنطنیہ میں 1782ء میں ایک جگہ آگ لگی تو وہ خود آگ بجھانے میں شریک ہوا۔ وہ انتہائی متقی اور نیک سلطان تھا جس کو اس کی رعایا نے ولی قرار دیا۔ عثمانیوں کے جمود 1566-1828 کے طویل دور کو مورخین ناکام اصلاحات کا دور بھی قرار دیا ہے۔ اس دور کے اواخر میں ریاست میں تعلیمی و تکنیکی اصلاحات بھی کی گئیں اور استنبول تکنیکی جامعہ جیسے اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم ہوئے۔ 1450ءمیں یورپ میں چھاپہ خانے کی ایجاد کے 43 سال بعد 1493ء میں اسپین سے بے دخل کیے گئے یہودیوں نے استنبول میں پہلا چھاپہ خانہ قائم کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کو روکنے اور اس کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے جن عثمانی سلاطین نے قابل قدر کوششیں کی ان میں سلطان سلیم ثالث (1789ء تا 1807ء) کا نام سر فہرست ہے۔ سلطان سلیم میسور کے ٹیپو سلطان کا ہمعصر تھا۔ اس نے تعلیم عام کرنے اور جدید علوم کی اشاعت کی کوشش کی۔ اس کے دور میں فنِ جنگ سے متعلق کتابوں کا فرانسیسی زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ بری اور بحری فوجوں کو نئے سرے سے منظم کیا گیا اور اس نئی تنظیم کو "نظام جدید" کا نام دیا گیا۔

فرانسیسی انجینئروں اور توپچیوں کی مدد سے توپ ڈھالنے کے جدید طرز کے کارخانے قائم کیے گئے۔ جاگیر داری نظام اصلاحات کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھا۔ اس کے لیے سلیم نے جاگیر داری بھی ختم کر دی۔ لیکن سلیم ان اصلاحات میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ سلطان ٹیپو کی طرح مفاد پرست عناصر اور تنگ نظر لوگ سلیم کے خلاف ہو گئے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ینی چری جو کسی زمانے میں ترکی کی سب سے منظم اور طاقتور فوج تھی، نظام جدید کے خلاف تھی اور وہ اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی تھی۔ ینی چری کے سپاہیوں نے جدید یورپی اسلحے اور جنگی طریقوں کو اختیار کرنے سے

CC BY

انکار کر دیا۔ شیخ الاسلام اسعد آفندی اصلاحات کے حامی تھے، لیکن 1807ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نئے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندینی چری کے زیر اثر تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بعض علماء نے مذہب کے نام پر اصلاحات کی مخالفت کی۔ یورپی طرز پر فوجوں کی تنظیم کو بے دینی سے تعبیر کیا، جدید فوجی وردیوں کو تشبہ بالنصاریٰ قرار دیا، سنگین تک کے استعمال کی اس لیے مخالفت کی گئی کہ کافروں کے اسلحے استعمال کرنا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ سلیم کے خلاف یہ کہہ کر نفرت پھیلائی گئی کہ وہ کفار کے طریقے رائج کر کے اسلام کو خراب کر رہا ہے۔ عطاء اللہ آفندی نے فتویٰ دیا کہ ایسا بادشاہ جو قرآن کے خلاف عمل کرتا ہو بادشاہی کے لائق نہیں آخر کار 1807ء میں سلیم کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔[35]

انیسویں صدی میں اسحاق آفندی نے جدید یورپی سائنس کو سلطنت عثمانیہ اور مسلم دنیا میں متعارف کرایا اور اپنے سائنسی تراجم کے ذریعے ترک اور عربی الفاظ پہ مشتمل جدید سائنسی اصطلاح وضع کی۔ لیکن اس شخص نے سرسید احمد خان کی طرح حدیث کے بارے میں متنازعہ نظریات پھیلا کر سائنس کی بنیاد نہیں رکھی اور سلطنت عثمانیہ سے تعلق رکھنے والا یہ شخص پہلا مسلم اہل علم تھا جس نے جدید سائنس کو مسلم دنیا میں متعارف کرایا۔

محمود ثانی 30ویں عثمانی سلطان تھے۔ سلیم ثالث کے بعد جس عثمانی سلطان نے اصلاح کا کام جاری رکھنے کی کوشش کی وہ محمود (1808ء تا 1839ء) ہی تھے۔[36]

انیسویں صدی میں اسحاق آفندی نے یورپی سائنس کو مسلم دنیا میں متعارف کرایا اور سائنسی اصطلاحات عربی و ترکی میں وضع کیں۔ وہ جدید سائنس کے پہلے مسلم مبلغین میں سے تھے، مگر مذہبی معاملات میں سرسید جیسے متنازع نظریات نہ اپنائے۔ سلطان محمود ثانی نے سلیم ثالث کی اصلاحات کو آگے بڑھایا۔ اس نے فوج، تعلیم اور انتظامی نظام میں اہم تبدیلیاں کیں۔

زوال سلطنت عثمانیہ اور تعلیمی نظام پر اثرات:

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ 1566ء میں سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے ساتھ ہی دولت عثمانیہ کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ بلکہ اس عظیم وملت کے زوال کے آثار سلطان سلیمان کے عہد میں ہی سامنے آنا شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ سلطان اپنی بیوی کی بات کو بڑی اہمیت دینے لگا تھا۔ اور اس کی بیوی اپنے بیٹے سلیمان ثانی کو تخت نشین دیکھنا چاہتی تھی۔ سلیمان کا بڑا بیٹا بہترین سپہ سالار اور سیاسی امور میں کمال مہارت رکھتا تھا اور ملک کی اکثر آبادی اس کی صلاحیتوں کی وجہ سے اسے محبت کرتی تھی۔ سلطان سلیمان نے اس بغاوت کو فرد کیا۔ مصطفی اور اس کے دودھ پیتے بیٹے کو قتل کرا دیا۔ یہ کھانا جنگی اس عظیم مملکت کے لیے بہت بڑا داغ ثابت ہوئی اور زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے۔[37]

سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ سلطنت میں کمزوری کے آثار اُس کے دورِ حکومت میں ہی ظاہر ہونے لگے تھے۔ سلطان نے اپنی بیوی کے کہنے پر اپنے قابل بیٹے مصطفی اور اُس کے بیٹے کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ سلطنت کے لیے تباہ کن ثابت ہوا اور زوال کی بنیاد بن گیا۔

سلیمان قانونی کے دور حکومت میں کمزوری کے جو آثار نمایاں ہوئے ان میں ایک بات یہ تھی کہ سلطان شاہی دربار میں اکثر آنے سے کتراتا تھا۔ خواتین کا عمل دخل امور سلطنت میں شروع ہو گیا تھا۔ مدارس کا جامد ہونا اس کے زوال کا اہم سبب تھا۔ تعلیمی نظام کی کمزوری، روایتی تعلیم پر زور اور جدید تعلیم سے دوری بھی اس کے زوال کا سبب بنی۔ اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا سامنا کرنے سے وہ عاجز آ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے رومل اور اناضول میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔[38]

پندرویں سے اٹھارویں صدی تک یورپ میں سائنسی، فکری اور صنعتی انقلاب نے دنیا کے نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔ مغربی اقوام نا صرف علمی میدان میں آگے بڑھی بلکہ عسکری، معاشی اور سیاسی طور پر بھی مضبوط ہو گئی۔ طب، فلکیات، طبیعیات، انجینئرنگ اور فلسفہ جیسے شعبہ میں انقلابی ترقی ہوئی۔ اس کے برعکس سلطنت عثمانیہ عمومی طور پر مسلمان نے دنیا علمی میدان میں جمود کا شکار ہو گئی۔ روایتی تعلیم پر زور رہا اور اس دیہات اور تجربے کی حوصلہ افزائی کم ہو گئی۔ مدارس میں فقہ، نحو، صرف پر توجہ رہی مگر ریاضی، سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے مضامین کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

اگرچہ سلطنت عثمانیہ نے تعلیم کو ابتدائی صدیوں میں خاص اہمیت دی۔ تاہم بعد کے ادوار میں یہ نظام جمود کا شکار ہو گیا۔ جس نے بالآخر سلطنت کے زوال میں بھی کردار ادا کیا۔

خلاصہ بحث:

سلطنتِ عثمانیہ نے ابتدائی دور میں تعلیم کو خاص اہمیت دی اور مفت تعلیم، مکتب، مدرسے، لائبریریاں اور سائنسی ادارے قائم کیے۔ سلاطین نے جدید علوم، پینٹنگ پریس، اور فوجی تربیت کے لیے اہم اصلاحات کیں۔ تاہم مذہبی مخالفت نہیں بلکہ خطاطوں کے معاشی مفادات اور ینی چری کی مزاحمت اصلاحات میں رکاوٹ بنے۔ بعض علماء اور حکمرانوں نے سائنسی ترقی کی کوشش کی، مگر روایتی نظام تعلیم اور جدید علوم سے دوری آخر کار زوال کا سبب بنی۔ یورپ کے برعکس عثمانی مدارس جمود کا شکار ہو گئے، جس سے سائنسی و فکری ترقی رک گئی۔

CC BY

نتائج اور سفارشات:

سلطنتِ عثمانیہ نے اپنے ابتدائی ادوار میں تعلیم، دینی علوم، عدالتی نظام اور علماء کی سرپرستی کو ریاست کی بنیاد بنایا۔ عثمان اول، مراد اول، بایزید اول، محمد فاتح اور سلیمان قانونی جیسے حکمرانوں نے نہ صرف مدارس کا قیام کیا بلکہ ان میں اعلیٰ معیار کی تعلیم، دینی و دنیاوی علوم کی ترویج، اور ریاستی افسران کی تربیت کو یقینی بنایا۔ سلطان محمد فاتح نے تعلیم کو ادارہ جاتی بنیادوں پر استوار کیا، مدارس کو منظم کیا، نصاب تیار کروایا اور کتب خانوں کے قیام سے علمی ترقی کو فروغ دیا۔ سلیمان قانونی نے تعلیم، قانون اور فنون لطیفہ کو باقاعدہ ریاستی سرپرستی میں لیا اور مرکزی نظام تعلیم متعارف کروایا۔ عبدالحمید ثانی نے زوال پذیر سلطنت میں بھی اسلامی روح پر مبنی تعلیمی پالیسی مرتب کی اور عرب علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے لیے مدرسۃ العشائر جیسے ادارے قائم کیے۔ تاہم، وقت کے ساتھ ساتھ جب درباری سازشیں، بیگمات کا اثر، مدارس کا جمود، اور جدید سائنسی تعلیم سے دوری پیدا ہوئی تو یہی تعلیمی ادارے انحطاط کا شکار ہو گئے۔ جدید علوم کو نصاب میں شامل نہ کرنے، سائنسی ترقیات سے دوری، اور روایتی طرز تعلیم پر اصرار نے سلطنت کو علمی، فکری اور عسکری میدان میں پیچھے چھوڑ دیا۔ نتیجتاً سلطنت علمی و تہذیبی برتری کھو بیٹھی اور یورپ ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ اس سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی ریاست کی پائیداری اور عروج کا دارومدار اس کے تعلیمی نظام کی وسعت، ہم آہنگی، اور جدید تقاضوں کے مطابق ہونے پر ہوتا ہے۔

---

[1] ۔ ویسلی وولادیمیر وبچ بارتولد، تاریخ الترک فی آسیاالوسطی، مترجم: احمد السعید، منشئ ومنزل، لاہور، ص106

[2] ۔ صدرالدین ابوالحسن، أخبار الأمراء والملوک السلجوقیۃ، مترجم: رمضان علی روح اللہ، ایل شاہسون بغدادی، ایران، 2001، ص4

[3] ۔ احمد السعید، قیام الدولۃ العثمانیۃ، منشئ ومنزل، لاہور، ص8

[4] ۔ تقی الدین أحمد بن علي، السلوک لمعرفۃ دول الملوک، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للتألیف والنشر، مصر، 1958، ج12، ص3

[5] ۔ احمد السعید، قیام الدولۃ العثمانیۃ، منشئ ومنزل، لاہور، ص26

[6] ۔ العمری، عبدالعزیز بن ابراہیم، *الفتوح الإسلامیۃ عبر العصور، دراسۃ تاریخیۃ لحرکۃ الجهاد الإسلامي من عصر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حتی أواخر العصر العثماني*، مرکز الدراسات والإعلام، 1993، ص353

[7] ۔ *تاریخ سلاطین آل عثمان تحقیق*: ڈاکٹر بسام جابی، ص10 قرمانی، عبدالرزاق

[8] ۔ **محمد فرید بک**، *تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ*، قاہرہ: مطبعۃ دار الکتب المصریۃ، 1919ء، ص115

[9] ۔ عبدالسلام عبدالعزیز، *سلطان محمد فاتح*، مترجم: شیخ محمد احمد پانی پتی، لاہور، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، 2021، ص93

[10] ۔ **ابن کثیر، عمادالدین اسماعیل بن عمر**، *البدایہ والنہایہ*، دار المعرفہ، بیروت، 2002، ص193

[11] ۔ **سورۃ القصص:4**

[12] ۔ **یاغی، اسماعیل احمد**، *الدولۃ العثمانیۃ في التاریخ الإسلامي الحدیث*، الریاض: مکتبۃ العبیکان، الطبعۃ الأولی، 1996ء، ص34

[13] ۔ ایضاً، ص93

[14] ۔ **یاغی، اسماعیل احمد**، *العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ*، الطبعۃ الأولی، الریاض: مکتبۃ العبیکان، 1953، ص253

[15] ۔ **طحان، مصطفی محمد**، *سلطان محمد فاتح*، مترجم: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی، لاہور: دارالسلام، 2007، ص384

[16] ۔ ایضاً، ص385

[17] ۔ ایضاً، ص389

[18] ۔ **یاغی، اسماعیل احمد**، *العثمانیون فی التاریخ والحضارۃ*، الطبعۃ الأولی، الریاض: مکتبۃ العبیکان، 1953، ص247

[19] ۔ **مصطفی محمد**، *سلطان محمد فاتح*، مترجم: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی، لاہور: دارالسلام، 2007، ص393

[20] ۔ ایضاً، ص396

[21] ۔ **یاغی، اسماعیل احمد**، *السلاطین العثمانیون: الکتب المصور*، الطبعۃ الأولی، الریاض: مکتبۃ العبیکان، 1996، ص96

22۔ حرب، محمد، مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی، بیروت: دار القلم، الطبعة الأولی، 1999ء، ص31

23۔ ایضاً، ص201

24۔ ایضاً، ص99

25۔ اراکین، عثمان، تاریخ التربیة التّرکیة، مترجم: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی۔ لاہور: دارالسلام، 2002، ص614،615

26۔ محمد، مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی، بیروت: دار القلم، الطبعة الأولی، 1999ء، ص202

27۔ توران، مصطفیٰ، الانقلاب العثمانی، مترجم: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی، لاہور: دارالسلام، 2007، ص37

28۔ https://www.dailysabah.com/arts/books-syllabuses-ijazah-a-look-into-the-educational-system-in-ottoman-madrassas/new

29۔ Sevim Tekeli (1997). "Tagi al-Din". Encyclopaedia of the history of science, technology and medicine in non-western cultures. Encyclopaedia of the History of Science. Kluwer. Bibcode:2008ehst.book.....S. ISBN0792340663

30۔ Ahmad Y Hassan (1976), Tagi al-Din and Arabic Mechanical Engineering, p. 34-35, Institute for the History of Arabic Science, University of Aleppo

31۔ Ben-Zaken, Avner (2004). "The Heavens of the Sky and the Heavens of the Heart: the Ottoman Cultural Context for the Introduction of Post-Copernican Astronomy"

32۔ Naim A. G ü lery ü z, Bizans'tan 20. Y ü zyılla - Türk Yahudileri, Gözlem Gazetecilik Basın ve Yayın A.Ş., İstanbul, January 2012, p.90 ISBN 978-9944-994-54-5

33۔ Watson, William J. (1968), "İbr āhīm Mü teferriḳa and Turkish Incunabula", Journal of the American Oriental Society, 88 (3): 435-441, doi:10.2307/596868

34۔ Murphey, Rhoads (1999). Ottoman Warfare, 1500-1700. UCL Press. p. 10.Á goston, Gábor (2005). Guns for the Sultan: Military Power and the Weapons Industry in the Ottoman Empire. Cambridge University Press. pp. 200-02.

35۔ https://ur.m.wikipedia.org/.../%D8%B3%D9%84

36۔ https://ur.m.wikipedia.org/.../%D9%85%D8%AD %D9%85%D9%88...

37۔ السیّد، عادل، الدولتہ العثمانیۃ فی التاریخ الاسلامی، ص94

38۔ حسون، علی، تاریخ الدولۃ العثمانیہ: عروج سے زوال تک، مترجم: محمد صادق، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ص123